مولانا محمد رمضان یوسف سلفی

بابائے تبلیغ مولانا محمد عبد اللہ گورداسپوری رحمۃ اللہ علیہ

بابائے تبلیغ حضرت مولانا محمد عبد اللہ گورداس پوری رحمۃ اللہ علیہ بر صغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین تھے۔ اُنہوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں اپنی واعظانہ صلاحیتوں، بلند آہنگ خطابت اور حکیمانہ اسلوب تبلیغ سے لوگوں کو توحید و سنت کا عامل بنایا اور انہیں 'صراط مستقیم' دکھا کر نیک نام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد عبد اللہ صاحب کو علم و عمل کا حظِ وافر عطا کیا اور بے پناہ اوصاف و کمالات سے نوازا تھا۔ آپ اہل اسلام بالخصوص جماعت اہلحدیث کے لیے عظیم سرمایہ تھے۔ گذشتہ صدی کی جماعتی تاریخ انہیں نہ صرف یہ کہ ازبر تھی بلکہ بہت سے واقعات کے آپ عینی شاہد بھی تھے۔ جب زبان کو حرکت دیتے تو اکابر کے واقعات بیان کرتے چلے جاتے۔

شیخ الاسلام فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ اَمر تسری رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور ان سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان سے متعلق نادر معلومات اور واقعات بھی فراہم کرتے۔ بلاشبہ ہمارے یہ بزرگ معلومات کا بحر ذخار اور ہماری جماعتی تاریخ کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا تھے۔ بڑے ہی شگفتہ مزاج، لطیف گو، مرنجامرنج اور باغ و بہار طبیعت کے انسان تھے۔ عبوست و یبوست سے کوسوں دور رہتے، ان کی بذلہ سنجی اور خوش طبعی کے قصے زبان زد عام ہیں۔

آپ نہایت بااخلاق، بلند کردار، نیک طینت، شریف النفس، خوش گفتار، مہمان نواز اور منکسر مزاج عالم دین تھے۔ وہ میرے بہت ہی پیارے اور محترم بزرگ دوست تھے۔ ان سے عقیدت و محبت کا ناطہ ربع صدی تک قائم رہا۔ میں نے پہلی بار انہیں ۱۹۸۸ء کے ماہ ستمبر کے وسط میں دیکھا تھا۔ وہ مولانا بشیر احمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے سلسلے میں منعقدہ کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ یہ تعزیتی جلسہ سمن آباد فیصل آباد کے بلال پارک (کوئلے والی گراونڈ) کے مشرقی کونے پر مولانا بشیر صدیقی کے گھر کے قریب منعقد ہوا تھا۔ میں سٹیج کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ مولانا عبد اللہ صاحب مائیک پر آئے۔ میانہ قد، متناسب جسم، سفید داڑھی، نظر کے چشمے کے پیچھے ذہانت کی غماز چمکتی آنکھیں، سر پر کلّے کے اوپر سفید طرے دار پگڑی، سفید شلوار اور قمیص، اوپر سے واسکٹ زیب تن، پاؤں میں کھسہ۔ انہوں نے اپنی کڑک دار آواز میں السلام علیکم کہا۔ کچھ دیر

بعد ان کا وعظ شروع ہوا۔ خطبہ مسنونہ پڑھ کر انہوں نے علم اور عالم دین کی عظمت بیان کرتے ہوئے مولانا بشیر صدیقی مرحوم کو خراجِ تحسین پیش کیا اور ان کی دینی خدمات کو سراہا۔ پھر گویا ہوئے کہ لوگو! اپنے بچوں کو دین پڑھاؤ اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اثنائے گفتگو انہوں نے اپنی دینی تعلیم کے متعلق بتایا کہ وہ نویں کلاس میں پڑھتے تھے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر سے متاثر ہو کر دینی تعلیم کی طرف آئے اور آج اللہ نے یہ مقام دیا ہے۔ مولانا عبد اللہ صاحب کا یہ وعظ کوئی گھنٹہ بھر جاری رہا، لوگ اَز حد متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی دوران تقریر اپنی شیرینی گفتار سے سامعین کو خوب محظوظ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان کا وعظ سنا اور ان سے متاثر ہوا۔

وہ فیصل آباد تشریف لاتے تو ٹیلی فون سے اپنی آمد کی اطلاع دیتے۔ اور مکتبہ رحمانیہ پر تشریف لا کر ملاقات کا شرف بھی بخشتے۔ نومبر ۲۰۰۱ء میں وہ فیصل آباد تشریف لائے۔ کلیہ دارالقرآن والحدیث جناح کالونی میں تقریبِ بخاری کے موقع پر رات کو ان کی تقریر تھی۔ میں بھی سامعین میں تھا۔ مولانا دورانِ تقریر تاریخی واقعات سنا رہے تھے کہ کہنے لگے: ''رمضان سلفی یہاں ہے؟'' میں نے ہاتھ بلند کر کے اپنی موجودگی کو ظاہر کیا، مولانا فرمانے لگے: ''سلفی سٹیج پر آکر بیٹھو، یہ سلفیوں کا سٹیج ہے۔

۱۹۵۰ء کی دہائی میں ایک بار جماعت غرباء اہل حدیث کے امام مولانا حافظ عبد الستار محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ارادت مندوں سے ملنے بورے والا تشریف لائے۔ مولانا عبد اللہ صاحب کو اُن کی آمد کا معلوم ہوا تو وہ بنفس نفیس امام صاحب کی خدمت میں پہنچے اور اصرار کر کے ان کو اپنی مسجد میں لے آئے اور کئی دن تک اُنہیں نہایت عزت اور احترام سے اپنے ہاں رکھا۔ مرحوم کے صاحبزادے محترم ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر (المعروف ڈاکٹر بہاؤ الدین حفظہ اللہ) نے راقم کو بتایا کہ ان دنوں مجھے امام عبد الستار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا موقع ملا تھا۔ بلاشبہ وہ اَسلاف کی یادگار تھے۔ میرے دوستانہ مراسم ان سے بھی تھے، ان کے بیٹے ڈاکٹر بہاؤ الدین سے بھی ہیں اور ان کے پوتے سہیل اَظہر سے بھی۔ اب آیئے ان کے حالات وواقعات کی طرف۔ یہ وہ معلومات ہیں جو ہمیں یا تو مولانا عبد اللہ صاحب سے بالمشافہ ملاقاتوں سے حاصل ہوئی ہیں اور کچھ باتیں ہم نے اپنے مرشد عالی قدر مولانا محمد اسحٰق بھٹی حفظہ اللہ کی 'بزمِ ارجمنداں' سے مستعار لی ہیں:

اِبتدائی حالات

مولانا عبد اللہ صاحب ۱۹۱۶ء میں ضلع گورداس پور (بھارت) کے ایک مقام 'وڑائچ' میں پیدا

ہوئے۔ والد کا اِسم گرامی حکیم امام الدین تھا۔ جو علمائے کرام اور واعظین عظام کی عزت و توقیر میں اس نواح میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ نیک اور صالح تھے۔ ان کا یہ بچہ کچھ بڑا ہوا تو اُنہوں نے اسے سرکاری سکول میں داخل کرا دیا۔ جہاں بچے نے مڈل کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ بعد ازاں خالصہ ہائی اسکول بھاگووال میں داخل کرا دیا گیا۔ مولانا عبد اللہ صاحب نویں جماعت کے طالب علم تھے کہ اُن کے علاقے میں ایک بہت بڑا تبلیغی جلسہ ہوا۔ وہ اس میں شریک ہوئے اور اُنہوں نے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امر تسری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریریں سنیں۔ اُنہوں نے اس قدر تاثر لیا کہ سکول کی تعلیم چھوڑ کر دینی تعلیم کی طرف راغب ہو گئے۔ اُنہیں بٹالہ میں قائم مدرسہ دارالسلام میں داخل کرا دیا گیا۔

یہ مدرسہ وہاں کی انجمن خادم المسلمین کے زیر انتظام تھا اور اس میں حضرت مولانا عطاء اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ جو اس علاقے کے جید عالم دین تھے، فریضہ تدریس اَدا کرتے تھے۔ ان نیک اور متقی عالم دین کو اگست ۱۹۴۷ء میں سکھوں نے شہید کر دیا تھا۔ یہ بزرگ عالم دین تفسیر، حدیث، منطق، صرف و نحو اور دیگر اسلامی علوم میں کامل درک رکھتے تھے۔ ان سے کئی طلبا نے اکتسابِ علم کیا اور پھر وہ نامور ہونے کے ساتھ نیک نام بھی ہوئے۔ مولانا عطاء اللہ شہیدؒ کے شاگردوں میں مولانا عبد العزیز سعیدی، مولانا اسماعیل ذبیح، مولانا عبد العظیم انصاری، حافظ عبد الحق صدیقی اور مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف جیسے علما کے نام ملتے ہیں۔

ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب بھی اسی یگانۂ روز گار عالم دین کے نہایت لائق اور چہیتے شاگردِ رشید تھے۔ اُنہوں نے درسِ نظامی کی مکمل تعلیم مولانا عطاء اللہ شہید سے حاصل کی۔ ذہین طباع طالب علم تھے، ذہن رسا پایا تھا جو پڑھتے ازبر ہو جاتا۔ نیک طینت اُستاد کو اپنے اس شاگرد پر ناز تھا اور وہ اسے اپنے گھر کا فرد سمجھتے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ محمد سلیمان میرے نہایت پیارے بزرگ دوست تھے۔ وہ میرے قریبی محلہ میں ہی اقامت پذیر تھے، ان سے اکثر ملاقات رہتی، وہ تصنیف و تالیف کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ عرصہ دراز تک محکمہ تعلیم میں آفیسر رہے۔ انہوں نے ۲۹/ اگست ۲۰۰۸ء کو فیصل آباد میں وفات پائی۔ اُنہوں نے تین کتابیں: درود و سلام، توحید پر ایمان، شرک سے بیزاری، اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب تصنیف کی۔ ان کا بیان ہے کہ ''مولانا عبد اللہ صاحب میرے والد مولانا عطاء اللہ صاحب کے لاڈلے شاگرد تھے اور اُنہیں ہمارے گھر کا فرد ہی سمجھا جاتا تھا۔ مدرسہ میں دوسرے طلبا سے ان کو ذہانت و فطانت اور علمی استعداد کے باعث امتیازی حیثیت حاصل تھی اور

یہ اپنی ہنس مکھ طبیعت سے رونق لگائے رکھتے تھے۔"

مولانا محمد عبد اللہ آخر میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے اور اُن کے دورہ تفسیر میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد وہ دعوتِ و تبلیغ کے میدان میں جت گئے اور جو علم اُنہوں نے حاصل کیا تھا اسے لوگوں تک پہنچانا اپنے اوپر فرض کر لیا۔

۱۹۳۷ء میں انہوں نے ولن مل دھاریوال سے اپنی خطابت کا آغاز کیا۔ اور ۱۹۴۷ تک دس سال آپ ولن مل دھاریوال کی مسجد کے امام و خطیب رہے۔ ۱۴راگست ۲۰۰۲ء کو میں بورے والا مولانا عبد اللہ صاحب کی خدمت میں ان کے صاحبزادے حافظ لقمان سلفی مرحوم کی تعزیت کے لئے حاضر ہوا۔ نمازِ ظہر پڑھ کر ان کی خدمت میں سلام عرض کیا، خیر و عافیت کے تبادلے کے بعد وہ پرانے واقعات سنانے لگے۔ ان کی بہت بڑی خوبی تھی کہ انہیں سینکڑوں واقعات من و عن یاد تھے اور ۶۰، ۷۰ سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود وہ واقعات ان کے ذہن پر نقش تھے۔

ہجرت اور توحید کی اشاعت

مولانا محمد عبد اللہ صاحب ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ولن مل دھاریوال کی مسجد میں فریضہ خطابت اَدا کرتے رہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب کے سکھوں نے مسلمانوں کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا تو وہ اپنے خاندان کے ہمراہ براستہ ڈیرہ بابانانک پاکستان میں داخل ہوئے۔ مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے رائے ونڈ آئے۔ یہاں ان کے برادرِ نسبتی قیام پذیر تھے۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب 'بزمِ ارجمنداں' میں لکھتے ہیں:

"مولانا کا قافلہ پچاس ساٹھ اَفراد پر مشتمل تھا۔ ایک بہت بڑی حویلی ان کے برادرِ نسبتی کے قبضے میں تھی۔ مولانا عبد اللہ اور ان کے ساتھیوں نے اسی حویلی میں پڑاؤ کیا۔ اس وقت عید الاضحیٰ میں چار دن باقی تھے۔ مولانا نے چالیس روپے میں قربانی کے لئے گائے خریدی۔ رائے ونڈ میں اس وقت ایک ہی مسجد تھی، جس کی رجسٹری حاجی محمد عاشق کے نام تھی اور وہ اہلحدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عید کی نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ حاجی محمد عاشق کو کسی نے کہہ دیا کہ یہ عالم دین ہیں۔ حاجی صاحب اُن کے پاس آئے اور عید پڑھانے اور خطبہ اِرشاد فرمانے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے نماز عید پڑھائی اور خطبہ دیا۔ خطبے کا موضوع حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہجرت اور ان کا جذبہ قربانی تھا۔ سامعین میں اکثریت مشرقی پنجاب سے آنے والے لوگوں کی تھی اور ترکِ وطن کے زخم ابھی تازہ تھے۔

تقریر کے اَلفاظ وانداز کی اَثر پذیری سے ہر آنکھ پر نم تھی اور ہر دل تڑپ رہا تھا۔ نمازِ عید کے بعد مولانا اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے اور گائے کی قربانی میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حاجی محمد عاشق ریڑھی لئے کھڑے ہیں، جس پر ایک بوری آٹے کی اور ایک بوری چاولوں کی ہے۔ کہا: یہ حقیر سی خدمت قبول فرمائیے۔ ساتھ ہی پانچ سو روپے نقد عنایت کئے۔ یہ بہت بڑی مدد تھی جو اس وقت اُنہوں نے فرمائی اور لٹے پٹے قافلے کو سہارا دیا۔''[1]

مولانا محمد عبد اللہ صاحب کچھ عرصہ رائے ونڈ میں قیام پذیر رہے اور کچھ عرصہ جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث قصور میں خطابت کے فرائض سر اَنجام دیئے۔ ۱۹۴۹ء میں آپ جماعت اہل حدیث بورے والا کے اِصرار پر بورے والا تشریف لے آئے۔ اُنہوں نے بورے والا کی جامع مسجد اہل حدیث میں جو پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا، اس میں سورۃ العصر کی تفسیر بیان کی جسے سامعین نے بہت پسند کیا۔ ان دنوں یہ مسجد بہت چھوٹی تھی، مولانا محمد عبد اللہ صاحب کی کوششوں سے اب بہت وسیع ہو گئی ہے۔ اور اسے چند سال پہلے اَز سر نو خوب صورت تعمیر کیا گیا ہے۔ نیز بورے والا اور اس کے گرد و نواح میں اہل حدیث کی ایک درجن سے زائد مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔

مولانا محمد عبد اللہ صاحب بلند آہنگ خطیب تھے۔ ان کے وعظ کی اثر آفرینی سے ہزاروں لوگ راہِ راست پر آ چکے ہیں۔ وہ عام فہم انداز میں بڑی پیاری گفتگو کرتے اور علم وحکمت کے موتی بکھیرتے چلے جاتے۔ عالم پیری میں بھی ان کی خطابت کی بڑی دھوم تھی۔ لوگ ان کا وعظ سننے دور دور سے دیوانہ وار چلے آتے۔

قرآنی خدمات

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد عبد اللہ صاحب کو علم وعمل کے ساتھ تفقہ فی الدین اور قرآن فہمی سے بھی خوب نوازا تھا۔ آپ نے نمازِ فجر کے بعد چار بار درسِ قرآن میں قرآن مجید کی مکمل تفسیر بیان کی۔ آپ صبح کے درسِ قرآن کے لئے باقاعدہ تیاری کر کے آتے تھے۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب کا بیان ہے کہ

۱ 'بزم ارجمنداں' از مولانا محمد اسحٰق بھٹی: ۶۰۸

"بندہ نومبر ۱۹۴۹ء کو رائے ونڈ سے بورے والا آگیا۔ زادِ سفر ایک تفسیر ابن کبیر مصری کی جلد اول تھی۔ ان دنوں بورے والا میں صرف جھگی نما ایک چھوٹی کچی مسجد تھی۔ بجلی وغیرہ بھی یہاں نہیں تھی، دیسی سرسوں کے تیل کے دیے کی روشنی میں بعد نماز فجر قرآن پاک کا درس شروع کیا گیا۔ بلاناغہ درس کے باوجود ۱۰ سال میں درسِ قرآن اللہ کی توفیق سے ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اس اِحسان کے شکریہ کے طور پر حاضرین کی دعوت کی گئی۔ اور دودھ، چائے اور مٹھائی سے تواضع کی گئی۔ الحمدللہ"

دوسری بار ۱۹۵۹ء میں درسِ قرآن کا آغاز کیا گیا۔ اب کتابوں کی فراہمی بھی کچھ آسان ہو گئی تھی۔ مالی طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی برکت سے خوش حالی عطا کر دی۔ تفسیر خازن، تفسیر کبیر، تفسیر ابن جریر، فتح القدیر، جلالین، جامع البیان اور دیگر مکاتب فکر کے علما کے تراجم بھی مہیا ہو گئے تھے۔ اَب تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر و تراجم کی معاونت سے بارہ سال میں ۱۹۷۱ء میں دوسری بار درسِ قرآن میں قرآن پاک کو مکمل کیا۔

تیسری بار ۱۹۷۲ء میں ابتدا سے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا گیا جو تبلیغی پروگراموں میں مصروفیت کے باوجود ۱۹۸۵ء میں تکمیل کو پہنچا۔

چوتھی بار ۱۹۸۵ء میں ترتیب سے درسِ قرآن کا آغاز ہوا۔ اَب مولانا محمد عبد اللہ صاحب کی بینائی بھی کم زور ہو چکی تھی۔ اُنہوں نے آنکھوں کا آپریشن کروایا اور نظر کا چشمہ لگا کر درسِ قرآن ارشاد فرماتے رہے اور ۱۹۹۷ء میں درس قرآن میں مکمل قرآن مجید ختم کیا۔

مولانا محمد عبد اللہ صاحب عالم پیری میں نظر کی کمزوری، بڑھاپے، نقاہت اور دیگر کچھ عوارض کے باوجود عزمِ جواں رکھتے تھے۔ قرآن کریم سے محبت ان کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ اُنہوں نے پانچویں بار ترتیب سے درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا جو آخر عمر تک جاری رہا۔ ان کا یہ درسِ قرآن اب نماز فجر کے بعد کی بجائے نماز عصر کے بعد ہوتا تھا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی خدمتِ قرآن ہے جو مولانا عبد اللہ صاحب نے انجام دی ہے۔ تقسیم ملک سے پہلے کے سات سال اور ایک سال رائے ونڈ ضلع قصور کے درسِ قرآن کو بھی شامل کیا جائے تو یہ مدت ۷۲ سال بنتی ہے اور خادم قرآن کی حیثیت سے یہ عظیم خدمتِ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین!

مولانا محمد عبد اللہ صاحب کو تحریر و نگارش سے بھی خاص شغف تھا۔ اُنہوں نے کوئی کتاب تو مرتب نہیں کی البتہ ان کے علمائے اہل حدیث کے بارے مضامین جماعتی رسائل میں اشاعت پذیر ہو کر ہمارے مطالعے میں آتے۔ وہ خوب صورتی سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے اور

پیارے اسلوب میں اکابرین جماعت کا تذکرہ کرتے تھے۔ چند سال پہلے انہوں نے شیخ الاسلام، فاتح قادیان، مولانا ثناء اللہ امر تسری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے ہفت روزہ اہل حدیث لاہور میں متعدد مضامین لکھے تھے اور ان میں حضرت شیخ الاسلام کی زندگی کے بعض گوشوں کو اجاگر کیا تھا۔ ضرورت ہے کہ مولانا عبد اللہ صاحب کے تمام مضامین کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے۔ اس سے جماعتی تاریخ کے بہت سے واقعات محفوظ ہو جائیں گے۔

تحریکی خدمات

مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے سیاست میں تو زیادہ حصہ نہیں لیا، البتہ مذہبی تحریکوں میں سر گرم عمل رہے۔ فتنہ مرزائیت کے خلاف اُنہوں نے قیام پاکستان سے پہلے بھی خوب کام کیا اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی وہ قادیانیوں کے خلاف پیش پیش رہے۔ اس راہ میں اُنہیں مصائب و آلام سے بھی دوچار ہونا پڑا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ وہ ہر موقع پر ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انہوں نے دھڑلے سے قادیانی نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے ڈھول کا پول کھولا۔ مولانا عبد اللہ صاحب نے ۱۹۳۵ء میں جب وہ مولانا عطاء اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زیر تعلیم تھے تو قادیانیت کے خلاف پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا تھا۔ پون صدی کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی مولانا محمد عبد اللہ سال میں ایک بار اس خطبے کی تجدید کرتے تھے۔

مولانا محمد عبد اللہ صاحب پہلی بار ۱۹۳۹ء میں جیل گئے تھے۔ اُنہوں نے بٹالہ سے چھ میل دور دیال گڑھ کے قریبی گاؤں 'ہرسیاں' میں مرزائیوں کے خلاف تقریر کی تھی۔ اس کی پاداش میں اُنہیں گرفتار کر لیا گیا اور ایک ہفتے بعد ان کی ضمانت ہوئی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی مولانا محمد عبد اللہ صاحب سر گرم عمل رہے اور انہیں کراچی جیل میں ایک ماہ گزارنا پڑا۔ ۱۹۵۵ء میں اُنہوں نے خانیوال میں تقریر کی اور ختم نبوت کے مسئلے کو اجاگر کیا۔ اس ضمن میں قادیانی مذہب بھی زیر بحث لائے۔ اس جرم میں اُنہیں جیل بھیج دیا گیا اور ایک ماہ دس دن بعد ضمانت ہوئی۔ مولانا محمد عبد اللہ اس دور کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "بٹالہ اور امر تسر قریب قریب ہونے کی وجہ سے اکثر فاتح قادیان کی زیارت و ملاقات ہوتی رہی اور ان کے بیانات اور مناظرات دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ تقریباً زندگی کا گیارہ سالہ بہترین دور اُن کی رفاقت اور قرب میں بسر کرنے کا موقع ملا۔ الحمد للہ!"

برصغیر پاک وہند کی تقسیم سے پہلے دس سالہ دورِ خطابت، توحید و سنت، اصلاح معاشرہ اور سیرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اور ردّ قادیانیت میں بسر کرنے کا موقع ملا، اس دوران کئی مرزائیوں سے مناظرے بھی ہوئے۔ برصغیر پاک وہند کی تقسیم کے بعد ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی حصہ لینے کا موقع ملا، بوریوالا ضلع ملتان (حال ضلع وہاڑی) ختم نبوت کے پروانوں کا جو پہلا قافلہ کراچی روانہ ہوا، اس میں بحیثیتِ قائد قافلہ جانے کا موقع ملا۔ کراچی جیل میں ایک ماہ تک قیام پذیر ہو کر اللہ تعالیٰ نے سنتِ انبیا کی اتباع کا موقع فراہم کیا۔ کیونکہ دین کی خاطر جیل میں جانا بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

پھر اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں ردّ قادیانیت کے سلسلہ میں خانیوال ضلع ملتان (اب خانیوال خود ایک ضلع ہے) ایک تقریر کی وجہ سے ملتان جیل میں جانا پڑا، جب مجھے خانیوال کی پولیس گرفتار کر کے اور ہتھکڑی لگا کر ملتان لے کر گئی تو ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل ساتھ تھے۔ پھر وہ مجھے جیل کے دفتر میں لے گئے۔ یہاں سے اُنہوں نے مجھے کسی بارک میں بھیجنا تھا میں وہاں کلرک کے پاس کھڑا ہو گیا اور وہ اپنے رجسٹر کھول کر دیکھنے لگا اور اسی دوران اس کے میز پر پڑے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فون اٹھایا اور فون پر کسی سے بات کرنے لگا، بات کرتے کرتے کہنے لگا کہ مولوی صاحب! آپ کے لیے فون آیا ہے، فون پکڑیں اور بات سنیں، میں نے جب ٹیلیفون کان سے لگایا تو وہ سپرنٹنڈنٹ جیل کا فون تھا۔ اس نے کہا: مولوی صاحب السلام علیکم۔ میں نے جواب میں وعلیکم السلام کہا، کہنے لگا میں سپرنٹنڈنٹ جیل بول رہا ہوں۔ میں نے کہا: حکم کریں، کہنے لگا حکم نہیں گذارش ہے کہ ہمارے خطیب صاحب جو جیل میں خطبہ جمعہ دینے آیا کرتے، ان کی آج درخواست آگئی ہے کہ وہ بیمار ہیں اس لیے جمعہ کی خطابت کا انتظام کر لیں۔ اس دن چونکہ جمعہ تھا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھے اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے شیشے کی کھڑکی میں سے دیکھ لیا تھا، اس لیے مجھے ایک عالم دین سمجھ کر ٹیلیفون کیا۔ دفتر میں کلرک کے پاس میں ابھی پہنچا تھا۔ کہنے لگا: مولوی صاحب آج آپ خطبہ جمعہ ارشاد فرمادیں۔ میں نے ان سے انکار کیا اور کہا کہ جون کا مہینہ گرم ترین مہینہ ہے میں کئی دن حوالات میں رہا ہوں، میرے کپڑے بھی پسینے سے خراب ہیں اور جسم بھی گندا ہے اس لئے میں جمعہ نہیں پڑھا سکتا۔ اس نے کہا: مولوی صاحب! گذارش قبول فرمائیں، میں کپڑے بھی نئے بھیجتا ہوں، اور پانی بھی غسل کرنے کے لئے اور آپ کے لئے ناشتہ وغیرہ بھی بھیجتا ہوں آپ میری گذارش قبول کریں اور خطبہ جمعہ ارشاد فرمائیں، کلرک مجھے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا کہ صاحب کی بات مان جائیں، میں نے کہا: آپ مجبور کرتے ہیں تو آپ کے

کہنے پر خطبہ جمعہ دے دیتا ہوں۔ میں ابھی وہاں ہی بیٹھا تھا ایک قیدی اپنے سر پر پانی کا ٹین رکھ کر لا رہا تھا اور صابن دھنیا کا تیل بھی ساتھ تھا، اس کے بعد ایک قیدی کپڑوں کا نیا جوڑا اور اس کے ساتھ ۷۶۳ کی ململ کی پگڑی، کرتا، بنیان، ملتانی لاچہ، جرابیں وغیرہ لے کر آ گیا۔ پھر اس کے بعد ایک اور قیدی آ گیا اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑی ٹرے تھی جس میں دو پراٹھے، تین انڈے، دہی، مکھن اور چائے تھی۔ کہنے لگا کہ یہ آپ کا ناشتہ ہے۔ میں نے کلرک سے کہا کہ دیکھو جب میں جیل میں داخل ہونے لگا تو آپ کے پولیس والوں نے میری مکمل تلاشی لی اور پان بھی نکال لیا، لیکن وہ میرے سینے سے قرآن نہ نکال سکے، اور یہ سب قرآن کی برکت سے ہے۔

میں نے غسل کیا، نئے کپڑے پہنے، پھر ناشتہ کیا تو جمعہ کی اذان ہو گئی، میری عمر اس وقت تقریباً چالیس سال تھی، جیل کے تمام قیدی اور افسران بڑی تعداد سے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے آئے۔ میں نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ سورہ یوسف جیل میں پڑھنے کا بڑا مزا آتا ہے۔ میں نے خطبہ جمعہ میں ﴿رب السجن أحب إلى مما يدعوننى إليه﴾ کی تشریح کی، اللہ تعالیٰ نے اس قدر توفیق بخشی کے پونے دو گھنٹے خطبہ جمعہ دیا جو اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ قیدی نعرے مار رہے تھے اور سورہ یوسف کا ترجمہ اور تفسیر سن کر رو رہے تھے، جیل کی فضا نعرہ تکبیر سے گونج رہی تھی۔ اب جیل کے افسران پریشان تھے کہ قیدی کہیں بغاوت نہ کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے عزت عطا کر دی، اور یہ سب کچھ قرآن کی برکت ہے۔ جب نماز جمعۃ المبارک ادا کی تو میرے پیچھے ملتان کے دو نوجوان رئیس زادے بھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے اور وہ کسی کے قتل کے جرم میں قید تھے اور انہوں نے اپنا کھانا گھر سے منظور کروایا ہوا تھا۔ وہ بڑے احترام سے ملے اور پوچھا مولانا کہاں سے آئے ہیں؟ اور کس سلسلہ میں جیل میں آ گئے؟

میں نے کہا کہ میں بورے والا کی مرکزی جامع مسجد اہلحدیث کا خطیب ہوں اور خانیوال میں ختم نبوت کے موضوع پر ایک تقریر کی اور جس میں کھل کر مرزائیت کی تردید کی ہے۔ وہاں کا تھانیدار مرزائی تھا اور رپورٹر بھی مرزائی۔ انہوں نے رات ہی کو میرے وارنٹ گرفتاری جاری کروا کر مجھے گرفتار کروالیا، اگلے دن انتظامیہ جلسہ نے ضمانت کی درخواست دی، لیکن اس وقت پتہ چلا کہ ملتان کا سیشن جج بھی مرزائی ہے اور اُس نے میری ضمانت کی درخواست مسترد کر دی جس کی وجہ سے پولیس مجھے آج ہی جیل لائی ہے اور یہ میری اور آپ کی ملاقات کا سبب بنا ہے۔ وہ دونوں نوجوان حضرت مولانا محمد علی جالندھری کے مقتدی تھے۔ وہ کہنے لگے مولوی صاحب آپ کھانا ہمارے ساتھ کھایا کریں۔ ہمارا کھانا گھر سے آتا ہے میں نے انکار کیا، لیکن ان کا اصرار غالب آ

گیا میں نے ان کی دعوت قبول کرلی، ان میں سے ایک پھر کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ تو پان بھی کھاتے معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں پان کھاتا ہوں، لیکن جب پولیس والوں نے تلاشی لیتے وقت میرا پان نکال لیا تو میں نے اپنے نفس سے کہا تھا کہ دیکھو یہاں کتنی پابندی ہے، اب پان مت مانگنا، کہنے لگے ان سے مانگیں کیوں؟ ہمارے دونوں بھائیوں کے سولہ پان روزانہ گھر سے آتے ہیں۔ اب آج سے آٹھ پان آپ کے بھی آیا کریں گے۔ میں ایک ماہ اور تین دن ملتان ڈسٹرکٹ جیل میں رہا اور ان نوجوانوں کا صبح کا ناشتہ، دوپہر کو کھانا، بعد نماز عصر چائے، رات کا کھانا آتا اور بہت پُر تکلّف کھانا ہوتا۔ جیل میں میرے ساتھ ملاقات کرنے جو بھی آتا، میں کہتا کہ ابھی دو چار ماہ میری ضمانت نہ کروانا، کیونکہ یہاں بہت آرام ہے۔ لیکن آخر کار حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے میاں محمود علی صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ کر میری لاہور ہائیکورٹ سے ضمانت کروادی۔ اسی طرح پوری زندگی اسی انداز سے گزری ہے، یہ ایک مختصر سا تعارف ہے۔"[1]

یاد رہے کہ تحریک ختم نبوت کی اب پندرہ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ الحمد للہ

کسی دور میں نصرت ٹرانسپورٹ کمپنی کی بسیں لاہور سے فیصل آباد چلتی تھیں۔ فیصل آباد میں اس کمپنی کا بس اڈا کارخانہ بازار کے باہر ہوا کرتا تھا اور یہ بس کمپنی مرزائیوں کی تھی۔ ایک بار مولانا محمد عبد اللہ صاحب لاہور سے نصرت ٹرانسپورٹ کی بس کے ذریعے لائل پور آئے۔ رات کو اُنہوں نے دورانِ تقریر تذکرہ کیا کہ میں لاہور سے نصرت بس پر بیٹھ کر ساڑھے تین گھنٹہ میں لائل پور پہنچا ہوں۔ قادیانیوں نے اس بات پر ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ مولانا عبد اللہ صاحب پیشی پر عدالت میں حاضر ہوئے اور اپنا بیان دیا۔ عدالتی کارروائی کے بعد اُنہوں نے کہا کہ آئندہ پیشی پر میں یہ بھی بتاؤں گا کہ نصرت بس کمپنی پر بیٹھ کر مجھے کتنا لطف آیا اور سفر کتنا آرام دہ رہا، ان کی یہ بات بھی مرزائیوں کو چبھ گئی۔ اب ان کو کسی نے مشورہ دیا کہ اس مولوی سے جان چھڑالو، ورنہ یہ آئندہ تمہیں عدالت میں بڑا رسوا کرے گا۔ لہٰذا مرزائیوں نے اپنا مقدمہ واپس لے لیا۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور کردار ادا کیا اور بورے والا کی مذہبی قیادت میں ان کا کام اور نام نمایاں تھا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مولانا محمد عبد اللہ صاحب

۱ ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور ختم نبوت نمبر بنام 'قندیل' اپریل مئی ۲۰۰۹ء

کی خدمات قابل قدر ہیں۔ جس طرح ان کی عمر طویل تھی اسی طرح ان کی خدمات کا دائرہ بھی وسعت پذیر تھا۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب بڑے وضع دار اور پُر وقار عالم دین تھے۔ ہمیشہ اپنی عزت وو قار کا خیال رکھتے۔ ایک بار انہوں نے قصور کی جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ رات کو ان کا قیام بھی قصور میں ہی تھا۔ مشہور مغنیہ ملکہ ترنم نور جہاں کا تعلق بھی قصور سے ہے اور اس کا آبائی گھر بھی وہیں ہے۔ ان دنوں نور جہاں قصور میں تھی، اس کو مولانا محمد عبد اللہ صاحب کی قصور آمد کا پتہ چلا تو اُس نے اپنا خادم بھیجا کہ باباجی! صبح ناشتہ ان کے ہاں کریں۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے انکار کر دیا۔ بعض لوگ کہنے لگے آپ اس کی دعوت قبول کر لیتے اس میں حرج ہی کیا تھا؟ لیکن مولانا محمد عبد اللہ صاحب فرمانے لگے میں نہیں جاوں گا۔ اور مولانا محمد عبد اللہ صاحب نور جہاں کے لاکھ اصرار پر ان کے ہاں ناشتہ کرنے نہیں گئے اور ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے اپنے مقام و مرتبے کو بلند رکھا۔

مولانا محمد عبد اللہ صاحب کا اِمتحان لینے کے لئے بسا اَوقات انہیں مختلف طریقوں سے آزمایا گیا۔ مولانا بتایا کرتے: "ایک بار منڈی بہاؤالدین سے خط آیا کہ فلاں تاریخ کو آپ تشریف لائیں اور اپنے خطاب سے سامعین کو مستفید فرمائیں۔ خط پڑھ کر میں منڈی بہاؤالدین گیا، رات کو تقریر کی اور واپس آگیا، انہوں نے واپسی پر پوچھا تک نہیں۔ تھوڑے دن گزرے ان کی طرف سے پھر خط آیا کہ تشریف لائیں اور تقریر کریں۔ مولانا بیان کرتے ہیں کہ خط پڑھ کر میں نے خود سے کہا: "مولوی! یہ تیری آزمائش ہے۔ کہیں پھسل نہ جانا۔ وہ آزمانا چاہتے ہیں کہ کیا مولوی کرایہ کے بغیر بھی آسکتے ہیں۔" چنانچہ میں وقت مقررہ پر منڈی بہاؤالدین پہنچا اور تقریر کی۔ جن لوگوں نے مجھے بلایا تھا، ان کا صابن کا کارخانہ تھا۔ وہ صبح اپنی گاڑی میں مجھے بتی چوک لاہور چھوڑ گئے اور جاتے ہوئے ایک پیٹی صابن کی اور گیارہ سو روپے میری واسکٹ کی جیب میں ڈال گئے، یہ سستے زمانے کی بات ہے۔"

اس واقعہ سے مولانا محمد عبد اللہ صاحب کی تبلیغی مساعی میں خلوص کو دیکھا جاسکتا ہے۔ لالچ، طمع و حرص سے کوسوں دور رہ کر انہوں نے خدمت دین کا فریضہ اَدا کیا اور اپنی عزت اور علما کی عظمت وو قار کو ہمیشہ قائم و دائم رکھا۔ اصل میں مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے جن لائق اَساتذہ کرام اور عالی قدر بزرگان دین کے زیر سایہ رہ کر تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں، یہ اسی کا اثر ہے۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص ارادت مند اور شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔

بلا شبہ مولانا محمد عبد اللہ صاحب پرانے دور کی یادگار تھے۔ اُنہوں نے نیک لوگوں کا ساتھ پایا۔ وہ جس دور میں پلے بڑھے اور جس ماحول میں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں، اسے سنہری دور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس دور میں مختلف تحریکیں اور جماعتیں میدان کارزار میں سرگرمِ عمل تھیں۔ ہندو سکھ عیسائی اور مسلمان اپنے اپنے مذہب کی اِشاعت میں لگے ہوئے تھے۔ اور اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے سے مناظرے اور مباحثے بھی کرتے تھے اور دوسری طرف مل کر انگریز سے آزادی کے لئے کام بھی کر رہے تھے۔

مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے ان حالات کا بغور جائزہ لیا اور پھر ان کا علاقہ بٹالہ بھی قادیانی فتنہ کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ان حالات میں مولانا عبد اللہ صاحب نے اِسلام کی نشر و اشاعت کے لئے اہل حدیث اسٹیج سے کام کرنا شروع کیا۔ قادیانی مذہب کے خلاف انہوں نے تقریر و تحریر سے کام کیا اور دیگر مذاہبِ باطلہ کے خلاف بھی انہوں نے زبان و بیان سے جہاد کیا۔ تقسیم ملک سے پہلے آپ 'آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس' سے منسلک رہے جس کے ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ اَمر تسری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جب ۲۴؍جولائی ۱۹۴۸ء کو 'مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان' کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس سے منسلک ہوگئے اور تاحیات 'مرکزی جمعیت اہل حدیث' کے ساتھ ہی رہے۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ اَمر تسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہم ان پر بہت اعتماد کیا کرتے تھے اور ان اکابرین جماعت کے ساتھ مل کر مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے جماعت کی تعمیر و ترقی کے لئے دن رات کام کیا۔

مولانا محمد عبد اللہ گورداس پوری دوستوں کے دوست اور یاروں کے یار تھے۔ جن حضرات کے ساتھ ان کا ذرا سا بھی تعلق رہا، انہیں یاد رکھتے۔ اپنے اَساتذہ کرام کا ذکر خیر عقیدت سے کرتے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔ فیصل آباد تشریف لاتے تو ان کی کوشش ہوتی کہ دوستوں سے ضرور ملاقات کی جائے۔ ان کی خواہش پر کئی بار ہم ان کے اُستاد زادے حافظ سلیمان مرحوم کو ان کے گھر سمن آباد جا کر ملے۔ اس موقع پر ہمارے مرحوم دوست علی اَرشد چودھری اپنی گاڑی سمیت ہمراہ تھے۔

مولانا محمد عبد اللہ صاحب بذلہ سنج اور باغ و بہار طبیعت کے انسان تھے۔ وہ اپنی گفتگو اور شرینی گفتار سے خوب محظوظ کرتے۔ ایک بار فیصل آباد تشریف لائے اور مجھے ٹیلی فون کیا۔ حال اَحوال پوچھ کر کہنے لگے: ''اَرشد مرشد کہاں ہیں؟'' میں نے عرض کیا: اس وقت تو وہ گھر پر سو رہے ہوں گے، نمازِ ظہر کے بعد ہی شہر آئیں گے۔ پھر پوچھنے لگے: ''حکیم عبد الستار کے بیٹے حافظ حبیب

الرحمٰن کہاں ہوں گے ؟" میں نے بتایا کہ حافظ صاحب نمازِ فجر کے بعد سو جاتے ہیں نماز ظہر میں ہی مسجد میں آئیں گے۔ باباجی میرا یہ جواب سن کر برجستہ کہنے لگے:" یہ سارے اصحابِ کہف ہی ہیں جو سوئے ہوئے ہیں۔" ان کی اس برجستہ گوئی نے بڑا لطف دیا۔

۱۹۵۷ء میں مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے مرکزی جامع مسجد اہل حدیث بورے والا میں 'مدرسہ محمدیہ' کی بنیاد رکھی۔ بطل حدیث حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا افتتاح فرمایا تھا۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب اس مدرسہ میں عرصہ دراز تک طلبہ اور طالبات کو ترجمۃ القرآن اور ناظرہ قرآن پڑھاتے رہے۔ شعبہ حفظ القرآن کے لئے بھی استاد تھا۔ اس مدرسہ سے حافظ عبد الستار شیخ الحدیث کوٹ ادو (وفات ۱۹؍جنوری ۲۰۰۹ء)، قاری محمد رمضان سینئر مدرّس جامعہ سلفیہ فیصل آباد، پروفیسر عبد الرحمٰن لدھیانوی اور حافظ محمد لقمان سلفی (وفات ۱۰ جون ۲۰۰۲) جیسے نامور علمانے تعلیم حاصل کی۔

اولادِ خانہ

اللہ تعالیٰ نے ان کو چار بیٹوں اور چھ بیٹیوں سے نوازا، بیٹوں کے نام یہ ہیں:

① **ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر:** دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا ذوق اچھا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں جامعہ سلفیہ میں انگریزی کے اُستاد رہے۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور بعض دوسرے سرکاری کالجز میں پروفیسر رہے۔ ۱۹۸۷ء سے برطانیہ میں مقیم ہیں۔ 'تحریک ختم نبوت، اور 'تاریخ اہل حدیث' ان کی شاہکار تصانیف ہیں جو پاک و ہند سے شائع ہو کر اہل علم سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے تفصیلی حالات میں نے ان کی 'تحریک ختم نبوت' کی جلد نمبر ۹ کے شروع میں تفصیل سے لکھے ہیں۔

② **حافظ محمد لقمان غضنفر سلفی:** جید عالم دین تھے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اکتساب علم کیا۔ ۱۸،۱۷ سال میاں چنوں کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطیب رہے۔ ۱۰؍جون ۲۰۰۲ء کو اُنہوں نے میاں چنوں میں ہی وفات پائی۔ بڑے خلیق، ملنسار اور خوش طبع عالم دین تھے۔ ان کے تفصیلی حالات جاننے کے لئے راقم کا مضمون ہفت روزہ اہل حدیث لاہور کے ۱۴؍اپریل ۲۰۰۳ء کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

③ **ریاض قدیر:** بورے والا میں رہتے اور اپنا کاروبار کرتے ہیں، نیک اور صالح انسان ہیں۔

④ **زبیر احمد:** مستند عالم دین ہیں، بورے والا کے ایک سرکاری سکول میں پڑھاتے ہیں اور مسجد

میں خطیب بھی ہیں۔

بابائے تبلیغ مولانا عبد اللہ صاحب سے متعلق یادوں اور ملاقاتوں کے یہ چند ناقابل فراموش نقوش ہیں جو میں نے قارئین کے رُوبرو پیش کئے ہیں۔ مجھ سے کہیں زیادہ باباجی سے متعلق واقعات ان لوگوں کے دل و دماغ میں محفوظ ہوں گے جن کو راقم سے زیادہ مولانا کی محفل میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ تاہم میرے دل کا تقاضا اور روح کی پکار تھی کہ باباجی سے متعلق یادوں کو کاغذ کے سینے پر ثبت کیا جائے۔

شاعر اہل حدیث جناب علیم ناصری مرحوم نے مولانا محمد عبد اللہ گورداسپوری کے بارے میں ایک نظم ان کی زندگی میں لکھی تھی جو قریباً ایک عشرہ قبل ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوئی تھی، موقع کی مناسبت سے اسے بھی نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ جناب علیم ناصری فرماتے ہیں:

نام ہے لب پر مرے اک مردِ حق آگاہ کا — یارِ خیر اندیش، مولانائے عبد اللہ کا
وہ مرے مسلک، مرے نطق و نوا کا ہم صفیر — ہم خیال و ہم زبان و دل ربا و دل پذیر
ہم نوائے ہمنوایان، ہم نشینِ ہم دماں — دوست دارِ دوستداراں، خیر خواہِ ہم رہاں
نرم خو و گرم جو، شائستہ خو، شائستہ رو — حق پرستوں کا مصاحب، اہل باطل کا عدو
خوش کلام و خوش خرام و خوش بیان و خوش زبان — پاک پوش و پاک نوش و پاک چشم و پاک جان
عالمِ نکتہ شناس و فاضلِ رمز آشنا — اک ادیب علم پرور، اک خطیب خوش نوا
محفلوں میں زعفرانی رنگ بھر دیتا ہے وہ — خشک جانوں کو بھی لالہ زار کر دیتا ہے
غم زدوں کی دور کر دیتا ہے وہ افسردگی — فصل گل بنتی ہے اس کو دیکھ کر پژمردگی
اس کی تقریریں شگفتہ، بزم آرا، دل نشیں — چٹکلوں میں بھی سبق آموز، معنی آفریں
منبر و محراب میں روحانیت کی آبشار — بزم یاراں میں شگوفوں کی بہار اندر بہار
چھوٹتی ہے بورے والا سے جو اس کی پھلجھڑی — بنتی ہے لاہور کے وہ گل کدوں کی پنکھڑی
آج بھی بانکا ہے میر اسال خوردہ دوستدار — شاہ بالائے مسیحا کا بھی ہے امیدوار
اس کا فرزندِ گرامی دانش و بینش مآب — ملکِ عرفان کا سلیمان صاحبِ کلک و کتاب
میرے بھائی کی ہو سب اولاد یارب شادمان — ان پہ برسا رحمتی اے مالک کون و مکان
دین اور دنیا رہے اس کی متین و تابدار — وہ رہے اپنے عزائم میں ہمیشہ کامگار

مولانا محمد عبد اللہ صاحب کی زندگی دعوت و تبلیغ سے عبارت تھی اور اُنھوں نے اس مشن میں عمر گزار دی۔ ایک عرصے سے وہ شوگر اور دل کے عارضے میں مبتلا تھے، لیکن عوارض سے زیادہ

بڑھاپا اُن پر غالب تھا۔ کمزوری، نقاہت اور بڑھاپے کے باوجود وہ تبلیغی پروگراموں میں شوق و عزم سے شریک ہوتے اور اپنی خطابت کی تمام تر رعنائیوں سے سامعین کو محظوظ کرتے۔ ۱۶/ اور ۱۷/ مارچ کو ماموں کانجن میں آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کی صدارت مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے فرمائی اور سترہ مارچ کی رات اُنہوں نے اپنا خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جو ان کے مخصوص طرزِ فکر کا آئینہ دار تھا۔ اسی روز دن کے وقت ان کا قیام فیصل آباد میں تھا اور انہوں نے فون کے ذریعے راقم کی خیریت دریافت کی تھی اور اپنی صحت کے بارے بتایا تھا۔ اس کے بعد بھی ان سے گاہے بگاہے رابطہ رہا۔

مئی کے اِبتدائی دنوں برادر محمد سہیل اَظہر چودھری نے باباجی کی بیماری کے متعلق بتایا اور کچھ تشویش کا اِظہار کیا۔ ان کا علاج جاری تھا کہ ۷/ مئی کو دوپہر ایک بج کر چالیس منٹ پر نہایت افسردہ لہجے میں سہیل صاحب نے اپنے پیارے بابا کی موت کی اِطلاع دی۔ جسے سن کر نہایت صدمہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور کے دفتر سے مولانا محمد سلیم چنیوٹی نے بھی یہی خبر سنائی۔

مولانا محمد عبد اللہ صاحب کی شدید خواہش تھی کہ وہ بورے والا میں ہی فوت ہوں اور اسی شہر میں انہیں دفن کیا جائے جہاں وہ ۶۳/ سال سے مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں خطابت و امامت کا فریضہ اَدا کر رہے تھے۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب کی وفات کی خبر منٹوں میں پورے ملک اور بیرون ملک پہنچ گئی۔ اور لوگ نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے بورے والا پہنچنا شروع ہوگئے۔ ۸/ مئی کو صبح پونے گیارہ بجے مولانا اِرشاد الحق اَثری حفظہ اللہ کی اِقتدا میں نمازِ جنازہ اَدا کی گئی اس میں ہزاروں علما اور عوام بلا تفریق مسلک شریک ہوئے۔ اور بورے والا میں ہی تدفین عمل میں آئی۔ بورے والا کی تاریخ میں مولانا محمد عبد اللہ صاحب کا جنازہ مثالی تھا۔ ان کی وفات کے سوگ میں انجمن تاجران نے مارکیٹیں اور بازار بند رکھے جبکہ سرکاری و نیم سرکاری دفاتر اور سکول و کالج بھی بند رہے۔ اس علاقے کے ایم پی اے خالد محمود بھٹی نے سیکورٹی اور دیگر انتظامات میں بھرپور تعاون کیا۔ دیگر یہ کہ مقامی جماعت نے بھی آنے والوں کے لئے ٹھنڈے پانی اور کھانے کا خاطر خواہ انتظام کر رکھا تھا۔ بلاشبہ مولانا محمد عبد اللہ صاحب اپنے دور کے رفیع المرتبت عالم دین تھے۔ جو اپنے پیچھے بہت سی خوشگوار یادیں چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!